مقالات

حدیث نبوی سے شرائع کا استنباط

از افادات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ

(ماخوذ از حجۃ اللہ البالغہ)

علوم نبوی کی اقسام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ مروی ہے اور کتب حدیث میں جمع کیا گیا ہے۔ اُس کی دو قسمیں ہیں۔

ایک وہ جو تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں ہے۔ اسی کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ مَا اٰتٰکُمُ الرسول فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (رسول تم کو جو کچھ دے اسے لو اور جس سے روک دے اس سے رک جاؤ)۔ اس سلسلہ میں بہت سی چیزیں آجاتی ہیں۔ مثلاً آپ نے علوم معاد اور عجائب ملکوت جو کچھ بیان کئے وہ سراسر وحی کی سند پر ہیں اور اجتہاد کا ان میں کوئی دخل نہیں۔ شرعی احکام اور عبادات کے ضوابط اور تمدنی معاملات کے متعلق جو ہدایات آپ نے دیں ان میں سے بعض وحی پر مبنی ہیں اور بعض اجتہاد پر، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد بھی بمنزلۂ وحی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اس بات سے محفوظ کر دیا تھا کہ آپ کسی غلط رائے پر جم جائیں۔ پھر یہ گمان کرنا بھی صحیح نہیں کہ آپکا اجتہاد منصوص احکام کے استنباط کے طور پر تھا بلکہ صحیح تر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم و ہدایت سے مقاصد شرع اور قانون تشریع اور اصول تیسیر احکام پر آپ حاوی ہو چکے تھے اس لیے آپ جو کچھ بھی اجتہاد فرماتے تھے وہ اسی الٰہی ہدایت پر مبنی ہوتا تھا۔ اسی سلسلہ میں حکمت اور مصلحت کی وہ باتیں بھی داخل ہیں جو حضور نے بر سبیل عموم و اطلاق بیان کی ہیں، اور جن کے لیے آپ نے حدود اور اوقات مقرر نہیں فرمائے ہیں، مثلاً اخلاق صالحہ اور خصائل مذمومہ اور فضائل اعمال اور مناقب عمال وغیرہ۔ ان میں سے

بعض وحی پر مبنی ہیں اور بعض اجتہاد پر مگر ان معاملات میں بھی آپکا اجتہاد اس معنی میں نہیں ہے کہ آپ نے دنیوی حکماء کی طرح غور و خوض کرکے کسی چیز کو اچھا اور کسی کو بُرا ٹھیرایا ہو، اور اس میں غلطی کا امکان ہو۔ بلکہ وہ اس معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب میں مصالح عباد اور قوانین ارتفاق کا علم بھر دیا تھا اور یہی علم اِس حکمت خداوندی کا منبع تھا جس سے آپ کلیات اخذ کرتے تھے اور ان سے جزئیات نکالتے تھے۔

دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق تبلیغ رسالت کے سلسلہ سے نہیں ہے۔ اسی کے متعلق حضور نے فرمایا کہ انما انا بشر اذا امرتکم بشیٔ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشیٔ من رأی فانما انا بشر (میں ایک انسان ہوں۔ جب میں تم کو دین کی کسی بات کا حکم دوں تو اس کی پیروی کرو۔ اور جب اپنی رائے سے کوئی بات کہوں تو میری حیثیت ایک انسان ہی کی ہے) اور اسی کی طرف حضور کا وہ ارشاد بھی اشارہ کرتا ہے جو آپ نے درخت خرما کو گابھ لگانے کے سلسلہ میں فرمایا تھا کہ فانی ظننت ظناً ولا تواخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئاً فخذوا بہ فانی لم اکذب علی اللہ۔ (میں نے تو ایک بات اپنے گمان سے کہی تھی اور تم میرے گمان پر گرفت نہ کرو۔ البتہ جب میں کوئی بات خدا کی طرف سے کہوں تو اس کی پیروی کرو کیونکہ میں نے خدا پر کبھی جھوٹ نہیں باندھا)۔ اس دوسری قسم کے علوم میں بہت سی چیزیں ہیں، مثلاً حدیث کے وہ ابواب جو طب سے تعلق رکھتے ہیں، اور آپ کا وہ ارشاد کہ تم فلاں قسم کے گھوڑے استعمال کرو۔ ان چیزوں کی بنا تجربہ پر تھی نہ کہ وحی یا اجتہاد نبوی پر۔ اسی طرح آپ کے وہ افعال جو آپ نے عادت کے طور پر کیے ہیں نہ کہ عبادت کے طور پر، یا اتفاقاً کیے ہیں نہ کہ قصداً، یا وہ باتیں جو آپ نے اسی طریقہ سے بیان کی ہیں جس طریقہ پر آپ کی قوم کے لوگ بیان کیا کرتے تھے۔ مثلاً ام ذرع کا قصہ اور خرافہ کا قصہ کہ ان چیزوں کا بھی کوئی تعلق تبلیغ رسالت سے نہیں ہے۔

حضرت زید بن ثابت کے پاس ایک مرتبہ چند لوگ حاضر ہوئے اور انہوں نے فرمائش کی کہ ہمیں رسول اللہ

کی باتیں سنائیے جواب میں حضرت زید نے فرمایا کہ "میں حضور کا پڑوسی تھا۔ جب آپ پر کوئی وحی نازل ہوتی تو آپ مجھے بلا بھیجتے اور میں اس وحی کو لکھ دیتا تھا۔ پھر آپ کی صحبت میں بیٹھ کر جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس ذکر میں شریک ہو جاتے تھے، اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ اس میں بھی ہمارے ساتھ حصہ لیتے تھے، اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ اس میں بھی ہمارا ساتھ دیتے تھے۔ اب کیا میں یہ سب باتیں احادیث رسول کی حیثیت سے تمہارے سامنے بیان کر دوں؟" اس قول میں حضرت زید کی مراد حضور کی ایسی ہی باتوں سے تھی جو آپ بحیثیت ایک انسان کے اپنے گھر میں یا اپنے دوستوں کی صحبت میں کیا کرتے تھے اور جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے نہ تھا۔

اسی سلسلہ میں وہ کام بھی آ جاتے ہیں جو حضور نے اپنے عہد کی کسی جزئی مصلحت کی خاطر کیے تھے اور جو تمام امت کے لیے امور لازمہ میں سے نہیں ہیں۔ اس قسم کے کاموں کی حیثیت ایسی ہے جیسے خلیفہ وقت اپنے زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے فوجوں کی صف آرائی کے لیے کوئی خاص طریقہ مقرر کرے یا اپنی افواج کے لیے کوئی خاص شعار معین کرے کہ یہ چیزیں بعد والوں کے لئے لازم نہیں ہوتیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی بنا پر فرمایا تھا کہ "اب ہم کو طواف میں اکڑ کر چلنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو ہم ایک خاص قوم پر اپنی قوت کے اظہار کے لیے کرتے تھے، اور وہ قوم اب ہلاک ہو چکی ہے"۔ مگر بعد میں آپ نے محض اس خوف سے یہ رائے واپس لے لی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ اور مقصد بھی ہو اور وہ ہماری سمجھ میں نہ آیا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے احکام اسی قبیل سے شمار کیے گئے ہیں۔ مثلاً آپ کا یہ ارشاد کہ جو شخص کسی کو جہاد میں قتل کرے اس کے کپڑے اور ہتھیار وغیرہ اسی کو دیئے جائیں۔ یا مثلاً آپ کے خاص فیصلے جو آپ نے خاص معاملات میں فرمائے تھے کہ مقدمات میں انہی کی پیروی لازم نہیں ہے بلکہ ہر مقدمہ کا فیصلہ ثبوت اور شہادت کی بنا پر کرنا ضروری ہے۔ اسی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس قول میں اشارہ

کیا ہے جو آپ نے حضرت علی سے فرمایا تھا کہ "غائب ان سب چیزوں کو نہیں دیکھ سکتا جو حاضر کے پیش نظر ہوتی ہیں"۔

مصالح اور شرائع کا فرق | شارع نے ہم کو دو قسم کے علم دئے ہیں جن کے احکام باہم مختلف اور جن کے مواقع باہم متباین ہیں۔

ایک قسم کا علم وہ ہے جو مصالح اور مفاسد سے تعلق رکھتا ہے، یعنی وہ علم جس میں شارع نے ہم کو اخلاق فاضلہ کے اکتساب اور خصائل رذیلہ کے ازالہ سے تہذیب نفس کے طریقے بتائے ہیں اور تدبیر منزل اور آداب معاش اور سیاست مدینہ کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ اس علم میں تمام تر کلیات اور اصول ہیں۔ کسی چیز کی مقدار معین نہیں کی گئی، نہ کوئی ایسا ضابطہ بنایا گیا ہے جو ہر ایک چیز کی حد معین کرتا ہو، نہ ایسی تفصیلات دی گئی ہیں جن میں ہر جزئیہ دوسرے جزئیہ سے ممیز ہو۔ بلکہ عمومیت کے ساتھ خصائل کی طرف رغبت اور رذائل سے نفرت دلائی گئی ہے، اور کلام اس طرز پر کیا گیا ہے کہ ہر شخص جو زبان سے واقف ہے اس کا مفہوم خود سمجھ سکتا ہے، اور ہر شخص جو نفس مصلحت یا نفس مفسدہ کو جانتا ہے وہ خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس موقع پر کیا چیز کس حد تک مطلوب ہے یا قابل حذر ہے۔ مثال کے طور پر کیاست اور شجاعت کی مدح کی گئی اور رفق و محبت کا حکم دیا گیا اور معیشت میں اقتصاد کی ہدایت کی گئی مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ ان چیزوں کی حد کیا ہے جس تک پہنچنے کی کوشش کی جائے، اور ان کی عملی صورتیں کون کونسی ہیں جنہیں اختیار کیا جائے، اور ان میں کوتاہیاں کونسی ہیں جن سے پرہیز کیا جائے۔

دراصل شارع کے پیش نظر تین مقاصد ہیں جن کی طرف تمام احکام اور ہدایات کا مرجع ہے:-

۱- تہذیب نفس، اُن اخلاق و خصائل کے ذریعہ سے جو دنیا اور آخرت میں نافع ہیں۔

۲- اعلاء کلمۂ حق اور تمکین شرائع اور اشاعت دین حق۔

۳- بندگان خدا کے معاملات کا انتظام اور ان کے طرز عمل کی شائستگی اور ان کو ایک دوسرے کی بھلائی میں مددگار بنانا۔

ہر بھلائی جس پر شارع نے ہمیں ابھارا ہے اور ہر برائی جس سے اس نے ہمیں روکا ہے، اسی حیثیت سے بھلی یا بری ہے کہ وہ ان مقاصد اصلیہ میں سے کسی ایک یا سب کے موافق یا مخالف ہو۔ جو چیز ان کی طرف لے جانے والی ہو وہ بھلی ہے اور شارع چاہتا ہے کہ اس کو اختیار کیا جائے اور جو چیز ان کے حصول میں مانع ہو، یا جس سے اندیشہ ہو کہ وہ مانع ہو سکتی ہے، یا جو اپنی فطرت کے اعتبار سے ایسی ہو کہ ان مقاصد سے انسان کو پھیر دینا ہی اس کا خاصہ ہو، یا جس کا تعلق عادۃً ان مقاصد کے اضداد ہی سے رہا ہو، وہ شارع کی نگاہ میں بری ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ انسان اس سے بچے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کا تعلق ان مصالح سے اور اس کی ناراضی کا تعلق ان مفاسد سے دائمی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے پہلے اور بعد یکساں رہا ہے۔ اگر یہ دائمی تعلق نہ ہوتا تو انبیاء علیہم السلام بھیجے ہی نہ جاتے۔ شرائع اور حدود فی نفسہ مقصود نہیں ہیں کہ محض ان کے لیے انسان کو مکلف کرنے اور ان پر انسان سے مواخذہ کرنے کی خاطر انبیاء کو مبعوث کیا جاتا۔ دراصل یہ مصالح اور مفاسد چونکہ نفس انسانی کی تہذیب یا تلویث کے موجب تھے، اور نوع انسانی کی فلاح یا خسران سے ان کا گہرا تعلق تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اس کا مقتضی ہوا کہ ایسے برگزیدہ نفوس بھیجے جو بنی آدم کو ان چیزوں سے خبردار کریں جو ان کے لیے اہمیت رکھتی ہیں، اور ان چیزوں پر مکلف کریں جو ان کے لیے ناگزیر ہیں۔ اور چونکہ یہ مقصد بغیر اس کے حاصل نہیں ہو سکتا تھا کہ لوگوں کے لیے حدود اور شرائع مقرر کیے جائیں اس لیے اللہ کا لطف و کرم پھر اس کا مقتضی ہوا کہ انہی برگزیدہ نفوس کے ذریعہ سے شرائع اور حدود مقرر کرے۔

مصالح اور مفاسد کا یہ علم جو حدود اور شرائع کی جڑ ہے اس میں تمام تر وہ چیزیں ہیں جو معقول المعنیٰ ہیں اور جن کا تعلق بالکلیہ فہم اور تدبر سے ہے۔ ان میں بعض چیزیں تو ایسی ہیں جن کو عام طور پر لوگ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں اور بعض ایسی ہیں جن کے فہم کا دروازہ صرف انہی لوگوں پر کھلتا ہے جن کے قلوب پر انبیاء علیہم السلام کے نورِ علم کا فیضان ہوا ہو اور جنہوں نے اصولِ شرع کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیا ہو۔

دوسری قسم کا علم شرائع اور حدود اور فرائض کا علم ہے جس میں مقادیر کی توضیح کی گئی ہے۔ شارع

اس علم میں صاف اور واضح طور پر ہم کو بتاتا ہے کہ بھلائی کے کام کونسے ہیں، کن چیزوں میں بھلائی کی توقع کی جاتی ہے، کونسی علامتیں ہیں جن سے بھلائی پہچانی جاتی ہے۔ انہی چیزوں پر وہ احکام کو دائر کرتا ہے اور لوگوں کو ان کا مکلف ٹھیراتا ہے۔ وہ ارکان اور شروط اور آداب کی تعیین سے خیر و صلاح کی ایک ایک نوع کو منضبط کرتا ہے، اور ہر نوع کے لیے ایک حد مقرر کر دیتا ہے کہ اس کو پورا کرنا تو لامحالہ ضروری ہے اور اس سے زائد عمل کرنا ضروری نہیں مگر پسندیدہ ہے۔ اس طرح تکلیف شرعی کا رخ فی نفسہٖ ان چیزوں کی طرف پھر جاتا ہے جن میں بھلائی کی توقع ہے، اور احکام کا مدار بالذات وہ چیزیں قرار پاتی ہیں جو بھلائی کی علامات ہیں۔

اس نوع کے علم کا مرجع قوانین سیاست ملیہ ہیں اور اس میں مصلحت یا مفسدہ کی توقع پر جتنی چیزوں کو واجب یا ممنوع قرار دیا گیا ہے وہ سب کی سب ایک ضابطہ سے منضبط ہیں، امور محسوسہ میں سے ہیں اور ایسے کھلے او صاف سے متصف ہیں جن کو خاص و عام سب جان سکتے ہیں۔

ایجاب اور تحریم کے احکام جن اصول اور قوانین پر مبنی ہیں ان کو تو ہم جان سکتے ہیں، اور ان اسباب میں سے بھی بہتوں کو ہم جانتے ہیں جن کی بنا پر کسی چیز کو واجب اور کسی چیز کو حرام کیا گیا ہے، مگر یہ بات کہ کونسی چیز کس مقدار یا کس تعداد یا کس شکل میں واجب ہے، اور کونسی چیز کس طور پر حرام ہے اس کا تعین عقلی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر منحصر ہے جو ملاء اعلیٰ میں لکھا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ بجز نص شارع کے نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم اس قاعدۂ طبیعی کو تو جانتے ہیں کہ برف بننے کا سبب پانی کو ٹھنڈک پہنچنا ہے۔ مگر یہ بات کہ اس وقت جو پانی سے بھرا ہوا پیالہ ہمارے سامنے رکھا ہے اس کا پانی برف بن گیا ہے یا نہیں، اس کا علم ہم کو اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ یا تو ہم خود اس کا مشاہدہ نہ کرلیں یا کسی مشاہدہ کرنے والے سے ہم کو اس کی خبر نہ ملے۔ علیٰ ہٰذا القیاس ہم یہ تو جانتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے بہرحال ایک نصاب ہونا چاہیئے

اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ دوسو درہم اور پانچ وسق کی مقداریں نصاب کے لیے بالکل مناسب ہیں کیونکہ ان کا مالک آسانی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرسکتا ہے، لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ یہی وہ نصاب ہے جو اللہ نے ہمارے لیے مقرر کیا ہے اور اسی پر اللہ کی خوشنودی و ناخوشی کا مدار ہے۔ یہ بات ہم کو صرف نص شارع ہی سے معلوم ہوسکتی ہے۔

علماء کی ایک معتدبہ جماعت اس بات پر متفق ہے کہ مقادیر کے باب میں قیاس جاری نہیں ہوسکتا۔ ان کے نزدیک قیاس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کسی مشترک علت کی بنا پر اصل کا حکم فرع میں بھی جاری کردیا جائے۔ مگر یہ جائز نہیں کہ ہم بطور خود کسی مصلحت کے مظنہ کو علت قرار دے لیں یا کسی چیز کو مناسب دیکھ کر رکن یا شرط ٹھیرا دیں۔ نیز اس پر بھی وہ متفق ہیں کہ محض مصلحت کا موجود ہونا قیاس کے لیے کافی نہیں بلکہ کوئی منضبط علت ہونی چاہیے جس پر حکم دائر کیا جاچکا ہو۔ مثال کے طور پر کسی ایسے مقیم شخص کو جو کسی حرج میں مبتلا ہو مسافر پر قیاس کرکے نماز اور روزے کی رخصتوں کا مجاز نہیں ٹھیرایا جاسکتا، کیونکہ مسافر کو قصر و افطار کی جو اجازت دی گئی ہے اس کی مصلحت اگرچہ دفع حرج ہی ہے، لیکن یہ امر اس کی علت نہیں ہے بلکہ شارع نے سفر کو اس کی علت قرار دیا ہے۔

ان مسائل میں علماء کے درمیان اجمالاً تو اختلاف نہیں ہے، مگر تفصیل میں اختلاف ہوجاتا ہے، اس لیے کہ اکثر ایسے معاملات پیش آتے ہیں جن میں علت پر مصلحت کا شبہ ہوتا ہے ۔۔۔ ہمارا تو یہ حال ہوا کہ جب قیاس کی گہرائیوں میں گئے تو ان پر حیرت طاری ہوگئی، چنانچہ بعض مقادیر کو انہوں نے بجنسہٖ باقی رکھنے پر اصرار کیا اور ان سے ملتی جلتی دوسری مقادیر اختیار کرنے سے انکار کردیا، اور بعض مقادیر کو دوسری مقادیر سے بدلنے میں ان سے تسامح ہوگیا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ انہوں نے کپاس کے لیے پانچ گٹھڑ کا نصاب مقرر کیا، اور کشتی کے سفر کو دورانِ سر کا مظنہ ٹھیرا کر اجازت دے دی کہ اس میں بیٹھ کر نماز ادا کی جائے اور ماء کثیر کے لیے دس ہاتھ در دس ہاتھ کی مقدار مقرر کی۔

جب کسی معاملہ میں شریعت ہم کو اپنے حکم کی مصلحت سمجھا دے، اور ہم وہی مصلحت کسی دوسرے معاملہ میں موجود پائیں تو بلاشبہ ہم وہی حکم اس دوسرے معاملہ میں بھی جاری کرسکتے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا تعلق دراصل اس مصلحت سے ہے، نہ کہ اس خاص معاملہ سے۔ لیکن مقادیر کا مسئلہ اس سے مختلف ہے، کیونکہ یہاں رضا کا تعلق خاص انہی مقادیر سے ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص کسی وقت کی نماز چھوڑ دے تو وہ بہرحال گناہ گار ہوگا چاہے وہ اس وقت ذکرِ الٰہی یا کسی دوسری قسم کی عبادت ہی میں کیوں نہ مشغول رہا ہو۔ اسی طرح جو شخص زکوٰۃ مفروضہ ادا نہ کرے، وہ اگر اس سے بہت زیادہ مال کسی کارِ خیر میں صرف کر دے تب بھی گناہ سے نہ بچ سکے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خلوت میں ریشمی لباس اور سونا پہنے جہاں نہ فقراء کی دل شکنی کا اندیشہ ہے نہ اس بات کا خوف ہے کہ اس سے لوگوں میں دنیا طلبی کی پیاس بڑھ جائے گی، نہ اس امر کا کوئی امکان ہے کہ دوسروں کے مقابلہ میں اس کی شان اور ترفع کا اظہار ہو، تب بھی وہ گناہ گار ہی ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دوا کے طور پر شراب پیے اور اس میں کسی فساد یا ترکِ صلوٰۃ کا خوف نہ ہو تب بھی گناہ بہرحال اس پر عائد ہوگا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ناخوشی نفس ان اشیاء ہی سے وابستہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ غرضِ اصلی مفاسد کا سدباب اور مصالح کا حصول ہے، لیکن حق تعالیٰ جانتا تھا کہ سیاستِ امت بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ نفس ان اشیاء ہی کو واجب یا حرام کیا جائے اس لیے اس کی خوشنودی اور ناخوشی انہی کے ساتھ بالذات متعلق ہوئی۔ بخلاف اس کے اگر کوئی شخص ریشم سے بہت زیادہ قیمتی اُون کا لباس پہنے یا سونے سے بہت زیادہ قیمتی جواہر کے برتن استعمال کرے، تو وہ فی نفسہٖ اس فعل سے گناہ گار نہ ہوگا، اس لیے کہ اس نے حکمِ صریح کی خلاف ورزی اور نافرمانی نہیں کی، البتہ اگر اس کے فعل میں غریبوں کی دل شکنی، یا اسراف کی تحریص یا تفاخر کا قصد متحقق ہو جائے تو وہ ان مفاسد کی وجہ سے رحمتِ الٰہی سے دور ہو جائے گا۔

صحابہ کرام اور تابعین رحمہم اللہ کو جہاں کہیں تم ایسا فعل کرتے دیکھو جو مقادیر کی تعیین سے مشابہ

نظر آتا ہو، وہاں سمجھ لو کہ ان کا مقصد دراصل مقادیر کی تعیین نہیں ہے، بلکہ مصلحت کا بیان اور اس کی طرف ترغیب اور مفسدہ کا بیان اور اس سے ترہیب ہے، اور انہوں نے جو خاص صورت کسی حکم کی تجویز کی ہے وہ بطور مثل کے ہے، خصوصیت کے ساتھ وہی صورت مقصود نہیں ہے بلکہ دراصل معانی مقصود ہیں، اگرچہ بادی النظر میں ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ صورت کی تعیین مقصود ہے۔ اور جس جگہ خود شرع نے کسی مقدار کو قیمت سے بدل دینا جائز رکھا ہے، جیسے ایک قول کے مطابق زکوٰۃ میں بنت مخاض[1] کے بجائے اس کی قیمت دینے کی اجازت ہے، تو اس کو تسلیم کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک طرح کی تعیین مقدار ہی ہے، کیونکہ تعیین مقدار میں ایسا استقصاء نہیں کیا جا سکتا جو دائرۂ عمل کو تنگ کر دینے کا موجب ہو لہذا بسا اوقات اس طور پر مقدار معین کی جاتی ہے کہ اس کا اطلاق بہت سی چیزوں پر ہو سکتا ہو جیسے بنت مخاض کہ کبھی ایک بنت مخاض دوسرے بنت مخاض سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات قیمت سے مقدار کی تعیین کرنے میں فی الجملہ ایک حد معلوم ہوتی ہے، جیسے چوری میں قطع ید کا نصاب ایسی چیز کو قرار دیا گیا جس کی قیمت چوتھائی دینار یا تین درہم ہو

یہ بھی سمجھ لو کہ ایجاب اور تحریم دونوں تقدیر[2] کی قسم سے ہیں، یہ اس لیے کہ بہت سی چیزیں جن میں مصلحت یا مفسدہ نظر آتی ہیں ان کی صورتیں بے شمار ہیں اور ہو سکتی ہیں، لہذا شارع نے چند خاص صورتیں ایجاب کے لیے اور چند خاص صورتیں تحریم کے لیے معین کر دیں، کیونکہ وہ ایسی صورتیں تھیں جو ضبط میں آ سکتی تھیں یا لوگوں کو ملل سابقہ میں اُن کا حال معلوم تھا، یا ان کی طرف انسانی طبائع زیادہ راغب تھیں اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کے معاملہ میں عذر فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہیں وہ تم پر فرض نہ کر دی جائے اور مسواک کے متعلق فرمایا کہ اگر میری امت پر سختی کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کو مسواک کرنے کا حکم دیتا۔

[1] اونٹ کا وہ بچہ جو ایک سال سے گذر کر دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو۔

[2] تقدیر سے مراد تعیین مقادیر ہے

پس جب حال یہ ہے تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ جن چیزوں کا حکم منصوص نہیں ہے ان کو منصوص پر قیاس کرکے فرض یا حرام قرار دیا جائے۔ رہا ندب[1] اور کراہت تو اس میں تفصیل ہے۔ ہر وہ مندوب فعل جس کو شارع نے کرنے کا حکم دیا، اور جس کے حکم کی تصریح کی اور جس کی عہد صحابہ و تابعین کے لوگوں نے پابندی کی اس کا حال وہی ہے جو واجب کا حال ہے۔ اور جس مندوب فعل کی محض مصلحت بیان کرنے پر شارع نے اکتفا کیا، یا جس پر خود شارع نے عمل کیا مگر اس کو دوسروں کے لیے سنت نہیں بنایا، نہ اس کی پابندی پر زور دیا تو وہ اسی حالت پر باقی ہے جس پر تشریع سے پہلے تھا، اس میں جو کچھ بھی اجر ہے وہ اس مصلحت کے لحاظ سے ہے جو اس کے ساتھ وابستہ ہو، نہ کہ نفس فعل کے اعتبار سے۔ یہی تفصیل مکروہات میں بھی ہے۔ اس مقدمہ کو جب تم اچھی طرح سمجھ لوگے تو تم پر واضح ہو جائیگا کہ بہت سے قیاسی مسائل جن پر لوگ فخر کرتے ہیں، اور جن کی بنا پر وہ متبعین حدیث کو مطعون کرتے ہیں، وہ دراصل خود انہی کے لیے وبال ہیں، مگر وہ نہیں جانتے۔

نبیؐ سے اخذ شرع کی کیفیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے امت نے دو طرح پر شریعت اخذ کی ہے، ایک اخذ ظاہر۔ دوسرے اخذ بطور دلالت۔

اخذ ظاہر کی دو صورتیں ہیں۔ متواتر اور غیر متواتر۔

متواتر کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو لفظاً متواتر ہے، مثلاً قرآن عظیم اور چند احادیث جن میں سے ایک یہ حدیث ہے کہ انکم سترون ربکم کما ترون ھٰذا القمر لا تضامون فی رؤیتہ[2]

دوسری وہ جو معنیً متواتر ہے جیسے طہارت اور نماز اور زکوٰۃ اور روزے اور حج اور بیوع اور نکاح اور غزوات کے کثیر التعداد احکام جن میں مسلمانوں کے تمام فرقے متفق ہیں۔

---

[1] ندب سے مراد کسی کام کی طرف رغبت دلانا اور اس کے کرنے کی طرف دعوت دینا ہے۔ اور مندوب اس کام کو کہتے ہیں جس کی دعوت دی گئی ہو۔

[2] تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو کہ اسے دیکھنے کے لیے تمہیں ہجوم کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ سے اس کو دیکھ رہا ہے۔

(۲) غیر متواتر تو اس کے مختلف درجات ہیں۔ اعلیٰ درجہ خبر مستفیض کا ہے، یعنی وہ جس کو کم از کم تین صحابہ نے حضور سے نقل کیا ہو اور اس کے بعد پانچویں طبقہ تک رواۃ کی تعداد برابر بڑھتی چلی جائے اس قسم کی احادیث بکثرت موجود ہیں اور فقہ کے بڑے بڑے مسائل انہی پر مبنی ہیں۔ اس کے بعد ایسی خبر کا درجہ ہے جس کی صحت یا حسن کا فیصلہ اکابر محدثین اور حفاظ حدیث نے بالاتفاق کر دیا ہو۔ پھر ان خبروں کا درجہ ہے جن میں کلام کیا گیا ہو۔ بعض نے قبول کیا ہو اور بعض نے رد کر دیا ہو۔ ان میں سے جس خبر کی تائید پر شواہد موجود ہوں یا جس کی تائید اکثر اہل علم نے کی ہو یا جس کی صحت پر عقل صریح شہادت دیتی ہو اس کا اتباع ضرور کرنا چاہئے۔

اخذ بطور دلالت یہ ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی فعل کرتے دیکھا یا حضور سے کوئی بات سنی ۔۔۔ اس سے وجوب وغیرہ کا کوئی حکم مستنبط کیا، اور اس استنباط کی بنا پر لوگوں سے کہا فلاں بات واجب ہے اور فلاں جائز۔ پھر تابعین نے صحابہ سے اسی طرح اخذ کیا، اور ان کے بعد تیسرے طبقہ کے لوگوں نے ان کے فتادیٰ اور فیصلوں کو مدون کر دیا۔ اس باب میں جو صحابہ سب سے پیش پیش ہیں وہ حضرات عمر، علیؓ، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صحابہ سے مشورہ اور بحث کرتے اور کوئی فیصلہ اس وقت تک نہ کرتے تھے جب تک کہ حقیقت بالکل بے نقاب نہ ہو جاتی اور آپ کو صحت کا وثوق حاصل نہ ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اکثر فیصلوں اور فتووں کو تمام دنیائے اسلام میں قبول کیا گیا اور اسی بنا پر ابراہیم النخعی نے کہا ہے کہ جب حضرت عمر نے وفات پائی تو علم کے دس حصوں میں سے نو حصے چلے گئے، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمر جب کسی طریقہ پر چلتے تو ہم اس کو آسان پاتے تھے۔ بخلاف اس کے حضرت علی رضی اللہ عنہ عموماً مشورہ نہ فرماتے تھے اس لیے آپ کے اکثر فیصلے کوفہ ہی تک محدود رہے اور بہت کم لوگوں نے ان کو لیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی کوفہ میں رہے اور اسی علاقہ کے لوگوں نے

زیادہ تر ان کے فیصلے اختیار کیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کا عہد گذر جانے کے بعد اجتہاد کیا اور بہت سے احکام میں ان سے اختلاف کیا۔ ان کے فتاوی کو زیادہ تر اہل مکہ نے لیا ہے جو ان کے شاگرد تھے۔ مگر جمہور اہل اسلام نے ان کے ایسے فتووں کو قبول نہیں کیا جن میں وہ منفرد تھے ان چار بزرگوں کے سوا جو صحابہ تھے وہ دلالت پر تو نظر رکھتے تھے، مگر آداب اور سنن کو رکن اور شرط سے ممیز نہیں کرتے تھے۔ ان میں حضرات ابن عمر، عائشہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور بعض دوسرے صحابہ شامل ہیں۔

تابعین میں سے بھی چند لوگ اس باب میں نمایاں ہیں مثلاً مدینہ میں سعید بن المسیب، مکہ میں عطاء بن رباح، کوفہ میں ابراہیم نخعی، قاضی شریح اور شعبی، بصرہ میں حسن رضی اللہ عنہم۔

ان دونوں طریقوں میں سے ہر ایک میں کچھ نہ کچھ خلل رہتا ہے جس کو دور کرنے کے لیے دوسرے طریقے سے مدد لینی پڑتی ہے، اس لیے کوئی ایک طریقہ دوسرے طریقہ سے بے نیاز نہیں ہے۔ اخذ ظاہر میں اس طرح خلل واقع ہوتا ہے کہ مثلاً راوی اصل الفاظ بھول گیا اور جو معنی اس کے ذہن میں محفوظ رہے ان کو اس نے دوسرے الفاظ سے ادا کیا جن سے معنی میں کچھ نہ کچھ تغیر ہو گیا۔ یا مثلاً حکم ایک واقعہ خاص میں تھا، راوی نے سمجھا کہ حکم کلی ہے، یا مثلاً کوئی بات تاکید کے ڈھنگ پر کہی گئی تھی تاکہ لوگ اس کی اہمیت سمجھیں اور اس کا اہتمام کریں، راوی نے سمجھا کہ وجوب یا حرمت کا حکم ہے، حالانکہ معاملہ یہ نہ تھا۔ ایسی صورتوں میں صحیح مطلب وہی سمجھتا ہے جو فقیہ ہو اور اصل واقعہ کی تفصیلات اس کے سامنے ہوں اور قرائن سے حقیقت حال کو سمجھے۔ مثال کے طور پر حدیث میں مزارعت سے منع کیا گیا ہے اور پھلوں کا حسن و قبح ظاہر ہونے سے پہلے ان کی بیع کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت زید موقع و محل اور انداز کلام سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس سے مراد تحریم نہیں ہے بلکہ حضور کا یہ ارشاد مشورہ کے طور پر تھا۔ دوسری طرف اخذ بالدلالت میں بھی مختلف صورتوں سے خلل واقع

ہوتا ہے۔ اس میں صحابہ و تابعین کے قیاسات اور کتاب و سنت سے ان کے استنباط کا بڑا دخل ہے اور ظاہر ہے کہ اجتہاد ہمیشہ صحیح تو نہیں ہوتا۔ پھر ایسا بھی ہوا ہے کہ ان کو کوئی حدیث نہیں پہنچی یا اس طور پر پہنچی کہ اس سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا، اس لیے انہوں نے اس پر عمل نہ کیا، بعد میں کسی دوسرے صحابی کے ذریعہ سے صحیح بات معلوم ہوئی جیسے جنابت میں تیمم کا مسئلہ ہے کہ اس میں حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کو غلط فہمی پیش آئی۔ بہت سے معاملات ایسے بھی ہیں جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے محض دلالت عقلی کی بنا پر ایک رائے بالاتفاق قائم کر لی تھی حالانکہ شرع میں ان کی کوئی تصریح نہ تھی اسی کی طرف حضور نے اشارہ فرمایا کہ تم میری سنت کا التزام کرو اور میرے بعد میرے خلفاء راشدین کے طریقہ کی پیروی کرو۔

پس جو شخص اخبار و آثار اور الفاظ حدیث پر وسیع نظر رکھتا ہو وہ ایسی پرخطر راہوں سے بخیریت گذر سکتا ہے جہاں قیاس و اجتہاد کے قدم پھسل جایا کرتے ہیں۔ اسی بنا پر فقیہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں طریقوں میں درک حاصل کرے اور دونوں مذہبوں میں تبحر پیدا کرے۔ اور شعائر ملت میں بہترین شعار وہ ہے جس پر جمہور رواۃ اور اکثر حاملین علم کا اجماع ہو اور جس میں دونوں طریقوں کا تطابق پایا جاتا ہو۔

الاصلاح ماہوار

یہ رسالہ قرآنی مطالب و مباحث کیلئے مخصوص ہے اس میں حضرت مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے قرآنی معارف بالالتزام شائع ہوتے ہیں نیز مولانا کے ان تلامذہ کے تحقیقی مقالات بھی ماہ بماہ شائع ہوتے ہیں جو مولانا کے اصول پر قرآن پر تدبر کر رہے ہیں اس موضوع سے متعلق یہ ملک کا واحد رسالہ ہے عام ذوق کی تسکین کے لیے سنجیدہ علمی و ادبی و انگریزی کے موقر علمی رسالوں کے اہم اقتباسات بھی شائع کیے جاتے ہیں۔ کاغذ عمدہ کتابت و طباعت دیدہ زیب ضخامت ۴۸ صفحے سالانہ قیمت [illegible] ششماہی [illegible]

منیجر رسالہ الاصلاح دائرہ حمیدیہ سرائے میر اعظم گڑھ یوپی